© rasailojaraid.com

کرے۔ اس وقت شریعت مطہرہ کے مطابق حکم کا نفاذ کیا جائے گا۔ جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کے مخالف گروہ کا یہ کہنا تھا کہ ان کا پتہ چلایا جائے اور ان کو قابو میں لا کر اندھا دھند سب کو قتل کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں قصاص کا اجراء بغیر کسی دعویٰ اور دلیل و حجت کے صحیح نہیں تھا۔''

آپ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کے مطابق آپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مکمل قائل اور حامی تھے، انکاری بالکل نہ تھے۔ مگر آپ اپنا نقطہ نظر اور سیاسی حکمت عملی یہ پیش کرتے تھے کہ پہلے اس پر آشوب صورت پر کنٹرول کیا جائے۔ اسلامی ریاست کے اہم ستونوں میں اتفاق و یگانگت پیدا کی جائے۔ حالات سدھر جائیں اور جلتی آگ پر قابو پایا جائے، تب قصاص کا مطالبہ عین حق بجانب ہوگا؛ لیکن جب سیاسی معاملات ناہموار ہوں، افراتفری کا عالم ہو، کوئی استحکام نہ ہو، پھر قصاص جو ایک دو افراد سے نہیں، بلکہ ایک مستحکم گروہ سے ہو، مصر اور بصرہ جیسے شہروں سے ہو، تب فی الحال خاصا مشکل کام ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس رائے میں خاصا وزن تھا۔

مرکز خلافت کی کوفہ منتقلی: آپ کرم اللہ وجہہ نے زمام اقتدار ہاتھ میں لیتے ہی کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ مدینہ منورہ آپ کا محبوب شہر تھا؛ مگر آپ کے مدنظر یہ بات تھی کہ اس پاک شہر کو داخلی جنگوں اور فوجی تنازعات سے دور رکھا جائے کیونکہ داخلی خلفشار شروع ہو چکا تھا۔ لہٰذا مسجد نبوی، حرم ثانی اور آرام گاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا تقاضا تھا کہ وہ کسی قسم کے فتنہ کا مرکز نہ بنے۔ لیکن امام حسن رضی اللہ عنہ اس وقت یہ رائے رکھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں ٹھہریں اور اسے دارالخلافہ بنائے رکھیں، جس طرح خلفائے راشدینؓ نے اختیار کیے رکھا۔ [تاریخ طبری]

مشہور مؤرخ و ادیب عقاد مصری اپنی توجیہ بیان کرتا ہے کہ: ''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عالمی امامت کا مرکز کوفہ کو بنایا، وہ ضرورت کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ اسلامی سلطنت اس وقت جس مرحلہ میں تھی، اس میں ضرورت تھی کہ مرکز ایسے مقام پر ہو جہاں تمام قومیں آ کر ملتی ہوں۔ اور ہند، فارس، یمن، عراق اور شام کی باہمی تجارتوں کے لیے مشترکہ گزرگاہ ہو۔

چنانچہ کوفہ ادب و ثقافت کا پایۂ تخت بھی تھا؛ جہاں کتابت، زبان، قراءت، انساب اور فنون شعر و داستان گوئی اس زمانہ میں کمال کے درجہ میں تھا۔ یہ مقام اس وقت کے لحاظ سے دارالخلافہ بننے کی تمام خصوصیات رکھتا تھا۔

[العبقریات الإسلامیة ص ۹۵۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فہم قرآن (آخری قسط)

ترجمہ قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات

محمد رضی الاسلام ندوی

ادبی رجحان

قرآن کریم ادب وبلاغت کا شاہکار ہے۔ لہٰذا اس کے ترجمہ میں بھی ادبی پہلو کو پیش نظر رکھنا معیوب نہیں؛ بلکہ پسندیدہ ہے۔ آیات قرآنی کے بامحاورہ ترجمہ کو اہل علم نے مستحسن قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس سے نہ صرف قرآن کے معانی بہتر طریقے سے قاری تک منتقل ہوتے ہیں؛ بلکہ اس کے ساتھ زورِ بیان اور تاثیر کلام کی ترسیل بھی ہوتی ہے۔ لیکن بسا اوقات اس معاملے میں افراط سے حسن کے بجائے قبح پیدا ہو جاتا ہے۔ ترجمہ قرآن میں غیر سنجیدگی اور ابتذال نمایاں ہو جاتا ہے، اور ترجمہ کی صحت بھی متاثر ہوتی ہے۔

فہم قرآن میں ادبی رجحان کی ایک مثال ﴿إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ [یوسف: ۱۷۰] اس آیت کا ترجمہ مترجمین نے یہ کیا ہے:

عبدالقادر: ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس۔

رفیع الدین: تحقیق گئے تھے ہم دوڑتے ہوئے اور چھوڑ گئے تھے ہم یوسف کو نزدیک اسباب اپنے کے۔

سر سید: بیشک ہم کرنے لگے ایک دوسرے سے دوڑ میں بڑھنا اور ہم نے چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس۔

وحید الزمان: ہم (شرط کے طور پر) دوڑنے لگے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔

احمد رضا: ہم دوڑ کرتے نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا۔

جونا گڑھی: ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا۔

تھانوی: ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا۔

آزاد: ہم ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے دوڑ میں لگے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا تھا۔

مودودی: ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

ازہری: ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس۔

© rasailojaraid.com